29

ہم نے تحریک جدید کے ذریعے دنیا کے چپہ چپہ پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم کرنی ہے

(فرمودہ 30 نومبر 1951ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت فرمائی: كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۔1

اس کے بعد فرمایا:

"آج تحریک جدید کے سلسلہ میں اٹھارہواں سال شروع ہونے والا ہے۔ پس میں جماعت کے سامنے اِس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ آئندہ سال کے لیے تمام احباب خواہ وہ ربوہ کے رہنے والے ہوں یا باہر کی جماعتوں کے، حسبِ قاعدہ ایک مدتِ مقررہ کے اندر جس کا بعد میں اعلان کر دیا جائے گا اپنے وعدے مرکز میں بھجوانے شروع کر دیں۔

تحریک جدید کی تحریک کو جاری کیے ہوئے سترہ سال ہو چکے ہیں اور اَب اٹھارہواں سال شروع ہونے والا ہے۔ سترھویں سال میں احباب نے سولھویں سال کی نسبت اس رنگ میں زیادہ قربانی کا ثبوت دیا ہے کہ سترھویں سال کے وعدوں کی وصولی کی رفتار سولہویں سال کے وعدوں کی

وصولی کی رفتار سے زیادہ ہے۔ اور دفتر دوم کے ساتویں سال کے وعدوں کی وصولی کی رفتار چھٹے سال کے وعدوں کی وصولی کی رفتار سے زیادہ ہے اور فیصدی کے لحاظ سے تو یہ فرق اَور بھی بڑھ جاتا ہے۔ گزشتہ سال کی وصولی اِس وقت تک پچپن فیصدی تھی لیکن اِس سال کی وصولی 83 فیصدی ہے۔ دوسرے دَور کے متعلق مجھے پوری معلومات حاصل نہیں ہوسکیں مگر غالباً اِس سال کی وصولی چوہتّر، پچھتر فیصدی کے قریب ہے جبکہ گزشتہ سال کی وصولی پچاس فیصدی کے قریب تھی۔ بہرحال فیصدی وصولی کے لحاظ سے اِس سال جماعت کی قربانی پچھلے سال سے زیادہ رہی ہے۔ پہلے دور کی بھی اور دوسرے دور کی بھی۔ فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ ۔لیکن پہلے دور کے متعلق ایک بات افسوسناک بھی نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ اس کے وعدے پچھلے تین سالوں سے متواتر نیچے گرتے چلے گئے ہیں۔ چودھویں سال میں دو لاکھ تراسی ہزار کے وعدے تھے حالانکہ چودھواں سال سخت تباہی کا سال تھا۔ اِس میں ملک کے دوٹکڑے ہو چکے تھے، بہت لوگ اپنی جائدادوں سے محروم ہو گئے تھے اور آئندہ کے متعلق انہیں کوئی اُمید نہیں رہی تھی۔ گو اَب اکثروں نے یہاں آکر اپنی جائیدادیں بنالی ہیں بلکہ بُہتوں کے لیے ملک کی یہ تقسیم بابرکت ہوگئی ہے۔ وہ لوگ جن کی وہاں صرف دودو، چار چار کنال زمین تھی یہاں آکر اُن کو سات سات، آٹھ آٹھ گھماؤں2 زمین مل گئی ہے۔ لیکن وہ لوگ جن کی وہاں زیادہ زمینیں تھیں اُن کو یہاں کم زمینیں ملی ہیں۔ بہرحال چودھواں سال وہ سال ہے جو ہماری جماعت کے لیے ایک نازک ترین سال تھا۔ اُس وقت کم جائدادوں کے باوجود، کم سامانوں کے باوجود، کم آمدنیوں کے باوجود جماعت نے دو لاکھ تراسی ہزار کے وعدے کیے تھے لیکن اگلے سال جماعت کے وعدے اس سے کم ہو گئے یعنی پندرھویں سال میں جماعت کے وعدے دولاکھ پچھتر ہزار ہو گئے۔ سولھویں سال میں آکر کوئی دو لاکھ ستّر ہزار کے قریب ہو گئے اور سترھویں سال میں آکر وہ دو لاکھ تریسٹھ ہزار ہو گئے۔ گویا جو اصل مصیبت کا وقت تھا اُس وقت جماعت نے وعدوں کے لحاظ سے اپنی قربانی کو تیز کر دیا لیکن جب وقفہ بڑھتا چلا گیا تو بعض لوگ اپنے ایمان کے معیار کو اُس حد تک قائم نہ رکھ سکے جس حد تک خوف اور مصیبت کے زمانہ میں انہوں نے اپنے ایمان کو قائم رکھا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اِس کی وجہ یہ ہو کہ یہ زیادتی درحقیقت اُن لوگوں کی طرف سے تھی جو تقسیم کی ضرب سے محفوظ رہے۔ چونکہ تازہ بتازہ انہوں نے یہ بات دیکھی تھی کہ اُن کے بھائی اپنی جائدادوں سے بے دخل کر دیئے گئے،

اپنے گھروں سے بے دخل کر دیئے گئے، اپنے سامانوں سے بے دخل کر دیئے گئے اور اپنے وطنوں سے نکال دیئے گئے اِس لیے اُن کے دل ہل گئے اور انہوں نے سمجھا کہ یہ دنیا بے ثبات ہے۔ اس کی دولت کا کوئی اعتبار نہیں۔ چلو خدا تعالیٰ کے راستہ میں ہی ہم اپنے اموال کو قربان کر کے اس کی رضا حاصل کریں۔ جب سال گزر گیا تو وہ خوف کم ہو گیا اور ایمان اُس معیار پر نہ رہا جس پر پہلے تھا اور وعدے پہلے سے کم ہو گئے۔ جب دو سال گزر گئے تو ایمان اَور بھی نیچے آ گیا۔ اور جب تین سال گزرے تو ایمان اُس سے بھی زیادہ نیچے آ گیا۔ اور 1947ء کی وہ مصیبت، آفت اور تباہی جو مسلمانوں پر آئی تھی انہیں بھول گئی۔

پس ہوسکتا ہے کہ اِس کمی کی ایک یہ وجہ بھی ہو لیکن یہ توجیہہ کرنی طبیعت پر گراں گزرتی ہے اور دل کو تکلیف پہنچاتی ہے کیونکہ اِس سے ایک اَور نتیجہ بھی نکلتا ہے جو خطرناک ہے۔ جہاں ہم اس کمی کی یہ توجیہہ کر لیتے ہیں کہ درحقیقت یہ زیادتی اُن لوگوں کی طرف سے ہوئی تھی جن پر مصیبت نہیں آئی تھی اور اِس وجہ سے ہوئی تھی کہ انہوں نے اپنے ساتھ کے مسلمانوں کی تباہی کو دیکھا اور وہ اتنا ڈر گئے کہ انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ دنیا بے ثبات ہے، اِس کی ہر چیز فانی اور بے حقیقت ہے اور عقلمندی اِسی میں ہے کہ وہ ان چیزوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیں تا کہ انہیں اس کی طرف سے ثواب تو حاصل ہو۔ مگر پھر جُوں جُوں صدمہ کم ہوتا گیا تُوں تُوں ان کی قربانی بھی کم ہوتی چلی گئی۔ اگر ہم یہ توجیہہ کریں اور ساتھ اِس امر کو بھی مدّنظر رکھیں کہ خدا تعالیٰ نے اسلام کی ترقی کے سامان ضرور کرنے ہیں۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ جس مذہب کو خدا تعالیٰ نے اِس لیے بھیجا ہے کہ اُسے سارے دینوں پر غالب کرے، جس مذہب کو خدا تعالیٰ نے اِس لیے بھیجا ہے کہ وہ تمام پرانے دینوں کو کھا جائے عین اُس وقت جب خدا تعالیٰ کا منشا اُس کو غالب کرنے کا ہو وہ گر جائے اور ہار جائے۔ یہ تو قطعی طور پر ناممکن ہے۔

دوسرے اِس بات کو مدّنظر رکھیں کہ یہ بھی یقینی بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ کام انہی لوگوں سے لینا ہے جنہوں نے دین کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا ہوا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے کام اُن سے لیے ہوں جنہوں نے خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش نہیں کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام آئے تو خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السّلام کے دین کی اشاعت فرعون اور اس کے ساتھیوں سے نہیں لی بلکہ موسیٰؑ کے ماننے والوں سے لی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام آئے

تو خدا تعالیٰ نے عیسیٰؑ کی تعلیم اور اُن کی باتوں کی اشاعت یہودیوں اور اُن کے علماء سے نہیں کرائی بلکہ عیسیٰؑ کی باتوں اور اُن کی تعلیم کی ترویج اور اشاعت عیسیٰؑ کے ماننے والوں کے ذریعہ ہوئی۔ اسی طرح جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو بعثتِ اُولیٰ میں جو قرآن کریم پھیلا اور دنیا میں توحید پھیلی اور دوسرے علوم پھیلے ان باتوں کو ابوجہل اور عتبہ اور شیبہ نے رائج نہیں کیا بلکہ اِن باتوں کو ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور دوسرے صحابہؓ نے رائج کیا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنّت ہمیشہ سے چلی آتی ہے اور اِس زمانہ میں بھی یہ بدل نہیں سکتی۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اُس کی سنّت بدلا نہیں کرتی 3 اور اس کی یہ سنّت ہے کہ ہمیشہ ہی اُس کی طرف سے جو پیغام آتا ہے اُس کی اشاعت اور تبلیغ اور ترویج اُس پیغام پر پہلے ایمان لانے والوں کے ذمہ ہوتی ہے اور وہی اس خدمت کو سرانجام دیتے ہیں۔ جب یہ دو حقیقتیں ثابت شدہ ہیں تو ہم نے جو پہلی توجیہہ کی تھی اُسے دیکھ کر دل ڈر جاتا ہے کیونکہ جب یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اسلام نے ضرور غالب آنا ہے اور جب یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اسلام نے اُنہی لوگوں کے ہاتھوں غالب آنا ہے جنہوں نے خدا تعالیٰ کے مامور کو مانا۔ تو اِس کے ساتھ ہی جب یہ بھی ثابت ہو جائے کہ خدا تعالیٰ کے مامور کو ماننے والی اُس وقت کی جماعت تب قربانی کرتی ہے جب خدا تعالیٰ کا تھپڑ اُن کو پڑتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا تھپڑ نہیں پڑتا تو وہ قربانی بھی نہیں کرتے تو لازمی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کا تھپڑ پھر پڑے گا تا کہ اُن کی سُستی اور غفلت دور ہو۔ یا تو یہ صورت ہوتی کہ دینِ اسلام کے متعلق یہ فیصلہ ہوتا کہ اُس نے دنیا پر غالب نہیں آنا۔ ایسی صورت میں ہم کہہ سکتے تھے کہ چلو جب اسلام نے غالب ہی نہیں آنا تو ہم اس کے لیے قربانی کیوں کریں۔ اور یا پھر یہ صورت ہوتی کہ دین کی ترویج غیر لوگوں کے ہاتھوں سے بھی ہو جاتی۔ ایسی صورت میں بھی ہم کہہ سکتے تھے کہ ہمارا کیا ہے خدا تعالیٰ یہ کام ہندوؤں سے کروا لے گا یا عیسائیوں سے کروا لے گا۔ لیکن جب اسلام نے غالب آنا ہے اور ضرور آنا ہے اور جب اسلام نے ہمارے ہاتھوں سے ہی غالب ہونا ہے اور ہم عادی ہوں اِس بات کے کہ ہم تھپڑ کھاتے ہیں تو کام کرتے ہیں، تھپڑ نہ پڑے تو کام نہیں کرتے تو سیدھی بات ہے کہ ہمیں تھپڑ پڑے گا اور پہلے سے زیادہ سخت پڑے گا۔

پس وہ جو پہلی توجیہہ تھی کہ مغربی پاکستان میں رہنے والے احمدی یا سندھ اور صوبہ سرحد میں

رہنے والے احمدی جن کو مشرقی پنجاب والی چوٹ نہیں پڑی تھی اُن کے دلوں میں زیادہ خوف پیدا ہوا اور اُن کی وجہ سے ہمارے چندوں میں اضافہ ہو گیا لیکن بعد میں وہ اس صدمہ کو بھول گئے اور اُن کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ یہ توجیہہ نہایت بھیانک خطرہ آئندہ کے لیے پیدا کرتی ہے جس کو دیکھنا یا سننا بھی کوئی شخص برداشت نہیں کر سکتا۔ اِس کے مقابلہ میں ہمارا دل اِس بات کو زیادہ برداشت کر لیتا ہے کہ کچھ احمدیوں میں کمزوری پیدا ہوئی اور انہوں نے اِس تحریک میں اُتنا حصہ نہیں لیا جتنا حصہ انہیں لینا چاہیے تھے اور اس وجہ سے وعدوں میں کمی آ گئی لیکن باقی احمدی اپنے اخلاص پر قائم رہے۔ یہ توجیہہ زیادہ تسلّی کا موجب ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا بہ نسبت اِس کے کہ یہ سمجھا جائے کہ اُس ضرب کی وجہ سے جو تقسیم ملک کی وجہ سے پڑی تھی لوگوں نے اپنی قربانی زیادہ کر دی تھی۔ بہرحال کوئی وجہ بھی ہو تحریک جدید کے اِس سال اور گزشتہ دو سال کے وعدے پسندیدہ نہیں سمجھے جا سکتے کیونکہ اِن سالوں میں لوگوں کے وعدے اوپر سے نیچے کی طرف گرنے شروع ہو گئے ہیں۔ اِس سے پہلے ان کے وعدے نیچے سے اوپر کی طرف چڑھتے تھے اور یہی ایک مومن کی شان ہونی چاہیے کہ وہ نیچے نہ گرے۔ اور واقعات بھی یہی بتاتے ہیں کہ پاکستان بننے کے بعد عام طور پر ہمارے ملک کی مالی حالت پہلے سے بہتر ہو گئی ہے۔ تنخواہیں بڑھ گئی ہیں، تجارتیں وسیع ہو رہی ہیں، کارخانے کھل گئے ہیں اور وہ روپیہ جو پہلے ہندو کی جیب میں جاتا تھا اب مسلمان کے ہاتھ میں جاتا ہے اور بحصہ رسدی احمدیوں کے ہاتھ میں بھی آتا ہے۔ پس بظاہر حالات چاہیے یہ تھا کہ یہ رفتار اوپر کی طرف چلتی اور پہلے سے زیادہ سرعت کے ساتھ ترقی کرتی نہ یہ کہ پہلے معیار سے بھی گر جاتی۔

پس ایک تو میں جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ یہ غفلت جہاں سے بھی پیدا ہوئی ہے اُسے دور کرنا چاہیے۔ یا تو یہ بات ہے جو نہایت خطرناک ہے کہ 1947ء کی چوٹ کے خوف کی وجہ سے تمام احمدیوں نے یکدم اپنے وعدے زیادہ کر دیئے تھے، خدا نہ کرے ایسا ہو۔ اور یا پھر اس کی یہ وجہ ہے کہ بعض احمدیوں نے کمزوری دکھائی اور ان کی وجہ سے کمی آ گئی۔ بہرحال کوئی صورت ہو اور کسی وجہ سے بھی کمی آ گئی ہو اگر دین کے لیے روپیہ کم آئے گا تو اِس کے نتیجہ میں لازمی طور پر تبلیغ بھی کم ہو گی۔ چاہے کوئی وجہ ہو۔ خواہ چوری ہو گئی ہو اور اِس وجہ سے روپیہ کم ہو گیا ہو۔ یا آمد کم ہو گئی ہو یا سُستی اور غفلت واقع ہو گئی ہو نتیجہ یہی نکلے گا کہ پیسہ کم آئے گا۔ اور جب پیسہ کم

آ ئے گا تو اسلام کی اشاعت اور اسلام کی ترویج کو بھی نقصان پہنچے گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات ناپسندیدہ ہوگی۔ قوم کے معنیٰ ہی یہی ہوتے ہیں کہ اگر ایک میں کوتاہی پیدا ہوتو دوسرا اُس کو دور کر دے۔ ایک گھوڑے کی گاڑی کا گھوڑا جب تھک جاتا ہے تو گاڑی ٹھہر جاتی ہے۔ لیکن دو گھوڑے کی گاڑی کا اگر ایک گھوڑا تھک بھی جاتا ہے تو دوسرا چلتا چلا جاتا ہے۔ جماعت اور فرد میں یہی فرق ہے۔ جو کام ایک فرد کر رہا ہو وہ جہاں کمزور ہو جائے گا کام ختم ہو جائے گا لیکن جو کام ایک قوم کر رہی ہو اُس کام کے کرتے ہوئے اگر ایک شخص میں کمزوری بھی پیدا ہوگی تو باقی آدمی اُس بوجھ کو بانٹ لیں گے اور اِس طرح وہ قومی کام کے تسلسل میں کوئی روک پیدا نہیں ہونے دیں گے۔ پس جماعت کے قائم کرنے کی جو غرض ہے ہماری جماعت کو وہ کبھی نہیں بھولنی چاہیے۔ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ جماعت کا کچھ حصہ کمزور ہے خواہ ایمانی لحاظ سے یا مالی لحاظ سے یا قربانیوں میں شمولیت کے عزم کے لحاظ سے تو باقیوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے قدم کو تیز تر کریں اور جماعتی کاموں میں کوئی رخنہ واقع نہ ہونے دیں۔ جماعت تبھی جماعت کہلا سکتی ہے جب وہ دوسروں کا بوجھ بٹانے کے لیے ہر وقت تیار رہے اور سمجھے کہ اگر کسی حصہ میں بھی کمزوری پیدا ہوئی تو میں خود زیادہ بوجھ برداشت کر کے اس کمزوری کو ظاہر نہیں ہونے دوں گا۔ پس اس حصہ کی کمی کو بھی دور کرنا چاہیے۔

باقی اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ پچھلے سال کی نسبت اِس سال وصولی زیادہ ہوئی ہے لیکن اِس سال اخراجات بھی بہت بڑھ گئے ہیں جس کی وجہ سے تحریک جدید کی مالی حالت خطرہ میں گھری ہوئی ہے۔ اگر اسے جلدی ضبط میں نہ لایا گیا تو ممکن ہے خدانخواستہ ہمیں اپنے بعض مشن بند کرنے پڑیں۔ ہم یقین تو یہی رکھتے ہیں کہ چونکہ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے اس لیے وہ اس کی ترقی کے لیے کوئی نہ کوئی سامان پیدا کر دے گا۔ وہ خود لوگوں کے دلوں میں قربانی کی روح پیدا فرما دے گا یا نئے آدمی لائے گا جو اِس بوجھ کو خوشی سے اٹھانے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ لیکن جہاں تک ہم ظاہری حالات کو دیکھتے ہیں ہمارے دل میں دھڑکن پیدا ہونے لگتی ہے کہ اِس زمانہ میں اسلام کی فتح کا جو کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے اُس میں کوئی روک پیدا نہ ہو جائے۔

جہاں تک میں دیکھتا ہوں ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑھ رہی ہے اور جہاں تک میں دیکھتا ہوں ہماری جماعت کے نوجوان اچھے تعلیم یافتہ نکل رہے ہیں اور ان کی مالی حالت

ترقی کر رہی ہے۔ ان امور کو دیکھتے ہوئے ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ اگر جماعت کی تربیت کی جائے اور صحیح طور پر کی جائے تو یہ کام ہمیشہ ترقی ہی کرتا جائے گا۔ چونکہ اب نیا سال شروع ہونے والا ہے اس لیے میں گزشتہ سال کی طرح پھر جماعت کو اس امر کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ وہ پچھلے سال کے وعدوں سے غافل نہ ہوں۔ **بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ چونکہ اب نیا سال شروع ہو گیا ہے اس لیے ہمارا پچھلا وعدہ معاف ہے مگر یہ بالکل غلط ہے۔ خدا تعالیٰ سے کیے گئے وعدے اگر پورے نہ کیے جائیں تو انسان کو اگلی نیکیوں کی بھی توفیق نہیں ملتی۔ یہ کسی بندے سے معاملہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہے جو عالم الغیب ہے۔ بندوں سے اگر تم کوئی وعدہ خلافی کرو تو ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری وعدہ خلافی کو بھول جائیں مگر خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ تم نے اُس سے کیا وعدہ کیا تھا اور تم اُسے کیوں پورا نہیں کر رہے۔**

پس دوستوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ وہ وعدہ ہے جو انہوں نے خدا تعالیٰ سے کیا ہے۔ تم گورنمنٹ سے وعدہ کر کے اُسے نہیں توڑ سکتے، تم محلّہ والوں سے وعدہ کر کے اسے نہیں توڑ سکتے، تم اپنے افسروں سے وعدہ کر کے اسے نہیں توڑ سکتے، بلکہ بڑے تو الگ رہے اگر تم اپنے بچوں سے کوئی وعدہ کرتے ہو پھر اُسے توڑنے لگتے ہو تو وہ شور مچا دیتے ہیں کہ آپ یہ کیا کرنے لگے ہیں اور تمہیں اپنے بچوں کا وعدہ بھی پورا کرنا پڑتا ہے۔ تھوڑے ہی دن ہوئے میں نے ایک امریکن کا ایک قول پڑھا جو مجھے بڑا دلچسپ معلوم ہوا۔ وہ لکھتا ہے معلوم نہیں کیا بات ہے کہ ہمارے بچوں کو کبھی کبھی یہ بھول جاتا ہے کہ وہ سکول میں داخل ہیں اور انہوں نے مدرسہ میں پڑھنے کے لیے جانا ہے، کبھی کبھی ہمارے بچوں کو یہ بھی بھول جاتا ہے کہ بڑوں اور بزرگوں کے سامنے جاتے وقت کیا آداب بجالانے چاہییں اور کونسے طریق ہیں جو انہیں اختیار کرنے چاہییں، کبھی کبھی ہمارے بچوں کو یہ بھی بھول جاتا ہے کہ انہیں اپنا لباس درست رکھنا چاہیے، کبھی انہوں نے کوٹ نہیں پہنا ہوتا، کبھی ان کے پاؤں میں جراب نہیں ہوتی، کبھی جوتی نہیں ہوتی، ہمارے بچوں کو کبھی یہ بھی بھول جاتا ہے کہ وہ آداب جو کھانے پینے کے ہیں کہ ہاتھ دھو کر کھانا کھاؤ اور خدا تعالیٰ سے دعا کرو یہ انہیں ہمیشہ ملحوظ رکھنے چاہییں، وہ بعض دفعہ بغیر ہاتھ دھوئے کھانا شروع کر دیتے ہیں یا اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتے۔ لیکن ایک بات ہے جو بچے کبھی نہیں بھولتے اور وہ یہ کہ خواہ جھوٹے طور پر ہی کسی زمانہ میں منہ سے بات نکل جائے کہ ہم تمہیں یہ چیز لے کر دیں گے تو وہ اس بات کو کبھی نہیں بھولتے اور اُس وقت تک پیچھے ہی پڑے رہتے ہیں

جب تک وہ چیز اُنہیں لا کر نہ دی جائے۔ درحقیقت اِس میں بہت بڑی سچائی بیان کی گئی ہے اور ہر گھر میں ماں باپ کو اس کا تجربہ ہوگا کہ بچہ کو خواہ اُس کے والدین مذاق ہی سے یہ کہہ دیں کہ تمہیں فلاں چیز لے کر دیں گے اور پھر لے کر نہ دیں تو وہ ہمیشہ کہتا رہتا ہے کہ فلاں چیز کا میرے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا مگر مجھے وہ چیز لے کر نہیں دی گئی۔ اگر بچہ بھی اپنا وعدہ پورا کرواتا ہے تو ہمارا خدا کیا بچوں سے بھی گیا گزرا ہے کہ وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کروائے گا؟ اور اگر بچوں کے ڈر کے مارے تم اُن کے وعدوں کو بھی پورا کر دیتے ہو تو کیا ہمارا خدا ہی ایسا ہے کہ تم اُس سے ڈر کر اپنے وعدوں کو پورا نہ کرو۔

پس تم نے جو خدا تعالیٰ سے وعدے کیے ہیں اُن وعدوں کی عظمت کو پہچانو اور یاد رکھو کہ تمہارا مستقبل، تمہاری اولاد کا مستقبل، تمہاری قوم کا مستقبل، تمہارے ملک کا مستقبل، تمہاری حکومت کا مستقبل بلکہ ساری دنیا کا مستقبل خدا تعالیٰ سے ہی وابستہ ہے۔ اگر اس سے صلح رکھی جائے گی تو تمہارے ہر کام میں برکت پیدا ہو جائے گی۔ لیکن اگر تم اس سے صلح نہیں رکھو گے تو تمہارا ہر کام خراب ہوگا اور تم اپنی کامیابی سے کوسوں دور چلے جاؤ گے۔ پس گزشتہ سال کے جو وعدے ہیں اُن کو پورا کرنا بھی تمہارا فرض ہے اور پورا بھی اِسی سال کے اندر کرنا ہے۔ دوستوں کو چاہیے کہ وہ ان وعدوں کو جلد تر پورا کرنے کی کوشش کریں۔

بعض جماعتوں کی طرف سے اطلاعیں آ رہی ہیں کہ انہوں نے چندے بھجوا دیئے ہیں اور بعض رقوم چیکوں کے ذریعہ آ رہی ہیں جو ابھی تک نہیں پہنچے۔ ان چندوں کو ملا کر اس سال کی فیصدی اِنْشَاءَ اللّٰہُ اَور بھی بڑھ جائے گی لیکن اگر پھر بھی بعض لوگوں کے وعدے رہ جائیں تو انہیں کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے وعدوں کو جلد سے جلد ادا کر دیں تا کہ انہیں اگلے سال کے وعدوں کو پورا کرنے کی جلدی توفیق مل سکے۔ جس شخص پر پچھلے سال کا بھی بوجھ ہوتا ہے وہ اگلے سال کا بوجھ اٹھانے میں اتنی بشاشت محسوس نہیں کرتا جتنی بشاشت اور آسانی وہ شخص محسوس کرتا ہے جس پر گزشتہ سال کا کوئی بوجھ نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ دوستوں کو ایک اَور امر بھی مدّنظر رکھنا چاہیے اور وہ یہ کہ ابھی چھٹے سال کے بلکہ اس سے بھی پہلے سالوں کے کئی وعدے ایسے ہیں جو پورے نہیں ہوئے۔ اُن وعدوں کو بھی اگر مدّنظر رکھا جائے تو ابھی ایک لاکھ کے قریب وصولیاں باقی ہیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے اِس سال

اخراجات کی ایسے رنگ میں زیادتی ہوئی ہے کہ چندے کی وصولی اور اچھی وصولی کے باوجود ابھی تک اخراجات پورے نہیں ہوئے۔ مثلاً اِس وقت تک سترھویں سال کی ساری آمد خرچ ہوچکی ہے۔ اسی طرح ساتویں سال کی آمد بھی بجائے اِس کے کہ ریزرو فنڈ میں جاتی ساری کی ساری اس سال کے اخراجات میں صَرف ہوچکی ہے اور اس کے علاوہ ابھی چوالیس ہزار روپیہ قرض لیا گیا ہے۔ گویا چوہتّر فیصدی آمد کے باوجود ابھی چھ مہینے کے اخراجات باقی ہیں۔ یہ چھ ماہ کے اخراجات اسی صورت میں چل سکتے ہیں جب سترھویں سال کے بھی سارے بقائے وصول ہوجائیں اور سولھویں سال کے بھی سارے بقائے وصول ہوجائیں۔ اور جب ساتویں سال کے بھی سارے بقائے وصول ہوجائیں اور چھٹے سال کے بھی سارے بقائے وصول ہوجائیں۔ تب جا کر یہ سال صحیح طور پر گزر سکتا ہے اور آئندہ سالوں کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کیا جاسکتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی احباب یہ بھی مدّنظر رکھیں کہ اگلے سال کے وعدے وہ نمایاں اضافوں کے ساتھ پیش کریں اور اپنا قدم آگے بڑھانے کی کوشش کریں۔ یہ غلط طریق جو اختیار کرلیا گیا تھا کہ وعدے اوپر سے نیچے آنے شروع ہوگئے تھے اس کو دور کیا جائے اور دوست اپنے وعدوں میں نیچے سے اوپر کی طرف جائیں اور اپنے وعدوں میں زیادتی کریں۔

ایک اَور سخت روک جو ہمارے راستہ میں پیدا ہوگئی ہے دوست اس کو بھی مدّنظر رکھیں اور وہ یہ کہ اَب ہندوستان کا روپیہ ہمارے پاس نہیں آ رہا۔ ہندوستان کے چھتّیس ہزار روپیہ کے وعدے تھے جن میں سے ایک پیسہ بھی ہمیں نہیں مل سکتا۔ ساری دنیا سے روپیہ یہاں آ جاتا ہے اور ان کے وعدے یہاں پہنچ جاتے ہیں لیکن ہندوستان سے روپیہ نہیں آ سکتا۔ اس کے علاوہ قادیان میں بھی روپیہ کی ضرورت ہے۔ پس چھتّیس ہزار کی تو اِس طرح کمی آ گئی۔ درحقیقت ہندوستان کے وعدوں کو نکال کر دو لاکھ ستائیس ہزار آمد پہلے دَور کی رہ جاتی ہے اور ہمارا بجٹ ساڑھے چار لاکھ کا ہے۔ پس کچھ تو وعدوں کے لحاظ سے کمی ہوئی ہے اور کچھ ہندوستان سے روپیہ نہ پہنچ سکنے کی وجہ سے کمی ہوئی ہے۔ ہمیں اس سال کوشش کرنی چاہیے کہ ہندوستان کے وعدوں کے لحاظ سے ہمارے چندوں میں جو کمی ہوئی ہے اُس کو بھی پورا کریں اور افراد کی سُستی اور غفلت نے جو کمی پیدا کی ہے اُس کو بھی دور کریں۔ اور پھر پاکستان اور بیرونی دنیا کے وعدوں کو زیادہ سے زیادہ بلند کریں یہاں تک کہ یہ وعدے اُس حد تک

پہنچ جائیں جس حد تک چودھویں سال میں تھے۔ بلکہ ہمیں تو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ چودھویں سال میں اگر دو لاکھ تراسی ہزار کے وعدے آئے تھے تو اَب ہمارے وعدے تین لاکھ سے بھی اوپر نکل جائیں اور ساتویں سال کی جماعت اپنے وعدوں کو بڑھا کر دواڑھائی لاکھ تک پہنچادے۔

درحقیقت سیدھی بات تو یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے اور خدا تعالیٰ نے ہی کرنا ہے۔ ہمیں اگر خدمت کی توفیق ملتی ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا ہم پر فضل نازل ہورہا ہے اور ہمیں اس کی رضا حاصل ہے۔ اور اگر ہمیں خدمت کی توفیق نہیں ملتی تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہم سے خفا ہے اور وہ ہمیں قربانیوں سے محروم کر کے ہمیں سزا دے رہا ہے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہی ہوتا ہے جو وہ اپنے بندوں سے خدمت لے لیتا ہے بندوں کا خدا تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف طور پر فرماتا ہے کہ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ ۔4 تم مجھ پر یہ احسان نہ جتلاؤ کہ ہم نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ اسلام قبول کر کے تم نے خدا تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ خدا تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے۔ پس جتنا جتنا کسی کو ثواب کا موقع ملتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا فضل اور اُس کا احسان ہوتا ہے اور خدمت کے مواقع سے محروم ہوجانا یا اِس میں کمی واقع ہوجانا یہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا نشان ہوتا ہے۔ خواہ دنیا میں کسی کو نظر آئے یا نہ آئے بہرحال جب بھی کوئی شخص قربانی میں کمزور ہوتا ہے وہ مالی قربانی سے دریغ کرتا ہے یا جانی قربانی سے دریغ کرتا ہے یا وقت کی قربانی سے دریغ کرتا ہے یا عزت اور وجاہت کی قربانی سے دریغ کرتا ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اُس سے ناراض ہے۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ بعض لوگ بے دین اور مرتد ہوجاتے ہیں۔ بیشک مرتد ہونے پر وہ یہ کہتا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں ہدایت پاگیا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ارتداد سے پہلے اُسے خدمتِ دین کی توفیق مل رہی تھی؟ اگر اُس کے حالات کو غور سے دیکھا جائے گا تو یہی معلوم ہوگا کہ وہ نمازوں میں بھی سُست تھا، چندوں میں بھی سُست تھا، قومی کاموں میں بھی سُست تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دین کی محبت اُس کے دل سے جاتی رہی، ایمان اُڑ گیا اور ارتداد نے اُس کی جگہ لے لی۔ پس جب کسی شخص پر اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہوتا ہے تو اُسے دین کی خدمت کی توفیق ملتی ہے۔ اور جب اس کی قربانیوں میں کمی آجائے تو یہ ثبوت ہوتا ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ کا اُس سے تعلق کمزور رہا ہے

اور خدا تعالیٰ اُس سے خفا ہے۔

ایک اَور بات میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس تحریک کے متعلق دوستوں کے دلوں میں جو غلط فہمی پائی جاتی ہے خواہ اس غلط فہمی کے پیدا کرنے کا موجب میرے اپنے ہی اقوال کیوں نہ ہوں اُسے دور کر دینا چاہیے۔ غلطی بہرحال غلطی ہے اور اُس کا ازالہ ضروری ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگوں کے دلوں میں یہ احساس پایا جاتا ہے کہ یہ تحریک صرف چند سالوں کے لیے جاری کی گئی تھی مگر اَب اس کو ممتد کیا جا رہا ہے۔ گزشتہ سال بھی میں نے اس طرف اشارہ کیا تھا جس پر بعض سمجھ گئے، بعض ادھورا سمجھے اور بعض اَب تک بھی نہیں سمجھے۔ میں نے جب یہ تحریک جاری کی تھی تو تین سال کے لیے جاری کی تھی۔ پھر میں نے اِس تحریک کو دس سال تک بڑھا دیا اور پھر اسے انیس سال تک ممتد کر دیا۔ بعض ایسے تھے جنہوں نے تین سال کے اختتام پر اس تحریک میں حصہ لینا چھوڑ دیا اور انہوں نے کہا کہ بس! ہم سے اتنے عرصہ کے لیے ہی قربانی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اب ہم زیادہ قربانی نہیں کر سکتے۔ بعض ایسے تھے جنہوں نے دس سال تک چندہ دیا اور کہا کہ اَب ہم اِس سے آگے جانے کے لیے تیار نہیں کیونکہ آپ نے دس سال تک اس تحریک کو بڑھایا تھا۔ اس کے بعد جب یہ تحریک انیس سال تک ممتد کر دی گئی تو گوا یسے لوگ بھی ہیں جو میرے خطبات اور اعلانات کو سن کر حقیقت کو سمجھ چکے ہیں۔ مگر اَب بھی بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے میرے مفہوم کو ادھورا سمجھا ہے اور انہوں نے مجھے لکھا ہے کہ آپ کے اعلانات سے پتا لگتا ہے کہ انیس سال کے بعد یہ قربانی ختم ہو جائے گی مگر ہم تو ہر وقت قربانی کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ جب تک قربانی کے لیے بلاتے رہیں گے ہم اس پر لبیک کہتے چلے جائیں گے۔ اب یہ فقرہ بظاہر تو بڑے اخلاص والا معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقتاً اس میں بھی کمزوری پائی جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ دین کی خدمت میں میرے بلانے کا کیا سوال ہے؟ فرض کرو دنیا میں ایک ہی مسلمان رہ جائے تو کیا وہ ایک مسلمان دین کی خدمت کو چھوڑ دے گا اس لیے کہ اسے بلانے والا کوئی نہیں؟ جہاں عشق ہوتا ہے وہاں تو بلانے اور نہ بلانے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔

لوگوں نے لطیفہ بنایا ہوا ہے کہ ایک چھوٹا سا جانور ہے جو رات کو اُلٹا سوتا ہے۔ کسی نے اُس سے پوچھا کہ تُو رات کو ٹانگیں اوپر کی طرف اُٹھا کر کیوں سوتا ہے؟ اُس نے کہا دیکھو ساری دنیا رات کو سو جاتی ہے اور غافل ہو جاتی ہے اگر آسمان رات کو گر پڑے تو سارے کے سارے تباہ ہو جائیں۔

پس میں سوتے وقت ٹانگیں اُٹھا لیتا ہوں تا کہ اگر آسمان گرے تو میری ٹانگوں پر گرے دنیا تباہ نہ ہو۔ اب ہے تو یہ ایک لطیفہ، جانوروں سے کون باتیں کیا کرتا ہے مگر پرانے زمانہ میں دستور تھا کہ حکمت کی بات جانوروں کے منہ سے بیان کی جاتی تھی۔ ساری مثنوی رومی ایسی ہی حکایات سے بھری پڑی ہے۔ اِسی طرح کلیلہ دمنہ وغیرہ میں بھیڑیا یا شیر یا بطخ یا مرغوں کی زبان سے کئی داستانیں بیان کی گئی ہیں کیونکہ لوگ سمجھتے تھے کہ دوسروں کو حکمت کی بات سمجھانے کا یہ ایک مؤثر ذریعہ ہے اور اس طرح زیادہ آسانی کے ساتھ وہ دوسرے کی بات کو سمجھ لیتے ہیں۔ اِسی طرح اِس لطیفہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب انسان کے اندر لوگوں کی خیر خواہی کا احساس ہو اور ان کی محبت موجزن ہو وہ ان کی محبت میں یہ نہیں دیکھا کرتا کہ میں کام کر سکتا ہوں یا نہیں بلکہ وہ اپنی قربانی پیش کر دیتا ہے۔ یہ نکتہ ہے جو اِس لطیفہ میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک چھوٹے سے جانور نے بھلا آسمان کو اپنی ٹانگوں پر کیا اُٹھانا ہے؟ اس میں یہی بتایا گیا ہے کہ اُس کے دل میں بنی نوع انسان کی محبت ہے۔ وہ نہیں کہتا کہ کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربا۔ وہ اپنی ٹانگیں اُٹھا دیتا ہے تا کہ اگر آسمان گرے تو ان پر گرے لوگ اُس سے تباہ نہ ہوں۔ اِس لطیفہ کا مقصد کسی جانور کا قصہ بیان کرنا نہیں بلکہ یہ مقصد ہے کہ انسانوں میں سے ہر وہ انسان جس کے دل میں بنی نوع انسان کی محبت ہوتی ہے وہ اپنی قربانی پیش کر دیتا ہے چاہے اس کا کچھ بھی نتیجہ ہو۔

ہمیں بھی اسلام کی محبت کا دعوٰی ہے۔ ہماری جماعت کو خدا تعالیٰ نے قائم ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ اسلام کو پھر اس کی بنیادوں پر مضبوطی سے قائم کر دے اور کفر کو شکست دے۔ پس ہمارے لیے یہ سوال ہی نہیں ہونا چاہیے کہ ہمیں دین کی خدمت کے لیے کوئی بلاتا ہے یا نہیں۔ بیشک اِس وقت ایک نظام خدا تعالیٰ نے تم کو دے دیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر میں کسی معاملہ میں نہ بھی بلاؤں اور تمہیں نظر آتا ہو کہ وہ دین کی خدمت کا کام ہے تو تمہارا فرض ہے کہ وہ کام کرو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بعض بلانے پر بھی نہیں بولتے بلکہ اُن کے سامنے ہر وقت یہی سوال رہتا ہے کہ

دیکھیے سرکار اِس میں شرط یہ لکھی نہیں

وہ کہتے ہیں پہلے تین سال کہا تھا، پھر دس سال کر دیئے، اَب انیس کر دیئے ہیں۔ مگر میں تمہیں کہتا ہوں کہ انیس سالوں کا بھی کیا ہے۔ اگر ہزار سال تمہاری عمر ہو تو اگر تم عاشقِ صادق ہو تو یہ کام تم کو ہزار سال کر کے بھی تھوڑا نظر آنا چاہیے۔ تم سے پہلوں کے ساتھ بھی بعض معیّن

وعدے کیے گئے تھے مگر انہوں نے تین یا دس کی پروا نہیں کی۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ تین اور دس اور انیس تو ہمارے فائدہ کے لیے ہیں۔ یہ فائدہ جتنا بھی بڑھتا چلا جائے ہمارے دل میں اُتنی ہی خوشی پیدا ہوگی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کو جب مکہ والے متواتر دکھ دیتے چلے گئے اور انہوں نے اسلام کے مٹانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے چند لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرما دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نصیحت فرمائی کہ مدینہ میں تبلیغ کے ذریعہ اپنی تعداد کو بڑھانے کی کوشش کرو۔ چنانچہ اگلے سال حج کے موقع پر وہ بہت بڑی تعداد میں مکہ پہنچے اور وہ آپس میں یہ مشورہ کر کے آئے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کریں گے کہ اَب مکہ کو چھوڑیے اور ہمارے شہر میں تشریف لے آئیے۔ چنانچہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، انہوں نے آپ سے باتیں کیں، آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ ہمارے ساتھ چلیں اور اَب مکہ کو چھوڑ دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس ملاقات کے وقت حضرت عباسؓ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے جو اگرچہ عمر میں آپ سے صرف دو سال بڑے تھے لیکن بڑے زیرک اور ہوشیار تھے، مکہ کے پنچ تھے اور اِس وجہ سے سیاسیات کو خوب سمجھتے تھے۔ اور گو وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھے تعلّقات رکھتے تھے اِس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ جب مدینہ والوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اِس خواہش کا اظہار کیا تو حضرت عباسؓ نے کہا باتیں کر لینی آسان ہوتی ہیں لیکن ان کو نبھانا مشکل ہوتا ہے۔ اگر تم لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے گئے تو تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ مکہ والوں نے اپنی مخالفت سے باز نہیں آنا اور پھر وہاں بھی مخالفت کا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ مکہ میں تو ان کے رشتہ دار موجود ہیں اور اِس وجہ سے لوگ ان پر حملہ کرتے ہوئے ڈرتے ہیں لیکن مدینہ میں رشتہ دار نہیں ہوں گے۔ اس لیے تم خوب سوچ سمجھ کر بات کرو۔ اگر تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے جاؤ گے تو تمہیں آپ کی حفاظت کے لیے مرنا بھی پڑے گا۔ انہوں نے کہا ہم اس بات کو خوب سمجھتے ہیں اور ہم نے تمام باتوں کو سوچ سمجھ کر ہی یہ درخواست کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لے چلیں۔

حضرت عباسؓ نے کہا تو پھر آؤ اور معاہدہ کرو۔ چنانچہ ایک معاہدہ کیا گیا جس میں یہ شرط بھی رکھی گئی کہ اگر مدینہ پر کُفّار حملہ کریں تو چونکہ آپؐ مدینہ ہماری درخواست پر تشریف لے جارہے ہیں اِس لیے مدینہ کے مسلمان اِس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار رہیں گے اور سارے کے سارے مر جائیں گے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی گزند نہیں پہنچنے دیں گے۔ لیکن اگر مدینہ سے باہر نکل کر کسی اَور مقام پر لڑائی ہوئی تو چونکہ مدینہ ایک گاؤں ہے اور گاؤں کے رہنے والے سارے ملک کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اِس لیے ہم مدینہ سے باہر لڑائی کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔5

غرض معاہدہ ہو گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے۔ جب آپ مدینہ چلے گئے تو وہی ہوا جس کا حضرت عباسؓ کو خطرہ تھا۔ اِدھر آپ مدینہ پہنچے اور اُدھر مکہ والوں نے انہیں کہنا شروع کر دیا کہ **کمبختو!** تم بڑے بے ایمان ہو گئے ہو یہ شخص تمہارے بُتوں کی ہتک کرتا ہے، تمہارے باپ دادا کو جھوٹا کہتا ہے اور پھر تمہارے شہر میں بیٹھ کر اپنے عقائد کو پھیلا رہا ہے۔ یا تو تم خود اس کے ساتھ لڑائی کرو یا اسے اپنے شہر سے نکال دو ورنہ ہم سب مل کر مدینہ پر حملہ کر دیں گے اور تمہیں اِس کی سزا دیں گے۔ ادھر اِکّا دُکّا مسلمانوں پر انہوں نے حملے شروع کر دیئے۔ ان کے قافلے جو شام میں تجارت کے لیے جاتے تھے انہوں نے اپنے اصل راستہ کو چھوڑ کر مدینہ کے اردگرد کے قبائل میں سے گزرنا شروع کیا اور اُن کو مدینہ والوں کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا۔ غرض ملک میں چاروں طرف ایک شورش برپا ہو گئی۔ اِسی دوران میں بعض چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی ہوئیں اور اس کے بعد بدر کی مشہور اور معرکۃ الآراء جنگ ہوئی۔ اِس جنگ کی ابتدا اِس طرح ہوئی کہ شام سے کُفّار کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں آ رہا تھا۔ مکہ کے لوگوں نے اِس خیال سے کہ کہیں مسلمان اِس قافلہ پر حملہ نہ کر دیں ایک بہت بڑا لشکر ابوجہل کی قیادت میں تیار کر کے بھجوا دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ بتایا کہ دشمن آ رہا ہے، قافلہ بھی آ رہا ہے اور فوج بھی آ رہی ہے۔ اِس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اکٹھا کیا اور انہیں بتایا کہ یہ صورتِ حالات ہے۔ اگر اِس وقت ہم باہر نہ نکلے تو کُفّار تمام عرب میں شور مچائیں گے اور اردگرد کے قبائل مسلمانوں کے خلاف بھڑک اٹھیں گے۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ باہر نکل کر دشمن کا

مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریباً تین سو صحابہؓ کو لے کر دشمن کے مقابل کے لیے نکل کھڑے ہوئے مگر اس وقت تک صحابہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آیا مقابلہ قافلہ والوں سے ہو گا یا اصل لشکر سے ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ یہی چاہتا تھا کہ قافلہ سے نہیں بلکہ اصل لشکر سے مقابلہ ہو۔ جب بدر کے قریب پہنچے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو بتایا کہ الٰہی منشا یہی ہے کہ مکہ کے اصل لشکر سے جو ابوجہل کی قیادت میں آ رہا ہے ہمارا مقابلہ ہو۔ جہاں تک میرا مطالعہ ہے مجھے قرآن کریم سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو مدینہ میں ہی یہ علم دے دیا گیا تھا کہ مسلمانوں کا کُفّار کے اصل لشکر سے مقابلہ ہوگا مگر ساتھ ہی آپؐ کو منع کر دیا گیا تھا کہ ابھی یہ بات صحابہؓ کو بتائی نہ جائے لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب آپؐ باہر نکل آئے تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ پر اصل حقیقت کو ظاہر کیا گیا۔ بہرحال جب کئی منزل طے کرنے کے بعد آپؐ بدر کے قریب پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو حکم ہوا کہ اَب یہ بات صحابہؓ کو بتا دی جائے یا اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ پر یہ امر ظاہر کیا گیا کہ قافلہ تو نکل گیا ہے اَب صرف لشکر کے ساتھ مقابلہ ہوگا۔ آپؐ کے باہر نکلنے کی غرض یہی تھی کہ ان لوگوں کا دفاع کیا جائے کیونکہ یہ لوگ مدینہ کے پاس پہنچ کر شور مچائیں گے کہ ہم مکہ سے چل کر آ گئے ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی مدینہ میں ہی بیٹھے ہیں۔ اس سے لوگوں کے دلوں میں مسلمانوں کے متعلق تحقیر اور تذلیل کے خیالات پیدا ہوں گے اور ہمارا ان لوگوں میں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ شام سے جو تجارتی قافلہ آ رہا تھا وہ تو نکل گیا ہے۔ اَب دشمن کا لشکر اِس طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ بتاؤ! اَب تمہاری کیا تجویز ہے؟ کیا ہم پیچھے ہٹ جائیں یا ان لوگوں کا مقابلہ کریں؟ اِس پر ایک کے بعد دوسرا مہاجر کھڑا ہوتا اور کہتا یارسول اللہ! پیچھے ہٹنے کا کوئی سوال نہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم دشمن سے لڑیں ورنہ وہ دلیر ہو جائے گا اور لوگوں میں فخر کرے گا کہ وہ باہر بھی آیا مگر مسلمان اُس کے مقابلہ کے لیے نہ نکل سکے۔ مگر تقریر کرنے کے بعد جب بھی کوئی مہاجر بیٹھتا آپؐ فرماتے اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ اِس پر پھر کوئی مہاجر صحابی کھڑا ہوتا اور کہتا یارسول اللہ! مقابلہ کیجیے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر جب وہ بیٹھ جاتا تو آپ پھر فرماتے اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ جب یکے بعد دیگرے کئی مہاجر اپنا مشورہ دے چکے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہاجر کی تقریر کے بعد یہی فرماتے کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔

تو ایک انصاری کھڑے ہوئے۔ اس وقت تک انصار کا گروہ خاموش بیٹھا ہوا تھا مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ تو انصار نے سمجھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مُراد ہم سے ہے ورنہ مہاجرین تو مشورہ دے ہی رہے ہیں۔ چنانچہ ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا **یارسول اللہ** ! مشورہ تو آپ کو دیا جا رہا ہے مگر آپ جو بار بار فرما رہے ہیں کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے کہ مہاجر تو بول رہے ہیں انصار کیوں نہیں بولتے۔ **یارسول اللہ** ! ہم تو اس لیے چپ تھے کہ وہ لشکر جو مکہ کی طرف سے آیا ہے اُس میں اِن مہاجرین کا کوئی باپ ہے، کوئی بیٹا ہے، کوئی بھائی ہے اور کوئی اَور عزیز ہے۔ ہم اِس شرم کے مارے نہیں بولتے تھے کہ اگر ہم نے کہا مقابلہ کریں تو مہاجرین یہ سمجھیں گے کہ یہ ہمارے ماں باپ اور بھائیوں اور بیٹوں کو مارنا چاہتے ہیں۔ پس ہماری خاموشی کی اصل وجہ یہ تھی۔ پھر اُس نے کہا **یارسول اللہ** ! آپ جو ہم سے بار بار کہہ رہے ہیں کہ بولو! تو شاید آپ کا اشارہ اُس معاہدہ کی طرف ہے جو آپ کی مدینہ میں تشریف آوری سے پہلے ہم نے کیا تھا اور جس میں ہم نے یہ شرط رکھی تھی کہ اگر مدینہ پر کسی دشمن نے حملہ کیا تو ہم اپنی جانیں دے دیں گے لیکن اگر مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا پڑا تو ہم اس میں شریک ہونے کے پابند نہیں ہوں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے۔ (اب دیکھو وہاں ایک معاہدہ ہو چکا تھا مگر میں نے تو تمہارے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کیا تھا۔ میرا صرف ایک اعلان تھا یہ نہیں کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی باقاعدہ معاہدہ ہوا ہو کہ میں تم سے صرف تین سال چندہ لوں گا یا دس سال چندہ لوں گا مگر یہاں تو انصار کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ تھا کہ اگر مدینہ پر حملہ ہوا تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے لیکن اگر مدینہ سے باہر دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا تو ہم اس میں شامل ہونے کے پابند نہیں ہوں گے)۔ اُس صحابی نے کہا **یارسول اللہ** ! جب یہ معاہدہ کیا گیا تھا اُس وقت ہمیں یہ پتا نہیں تھا کہ نبی کیا ہوتا ہے اور رسول کیا ہوتا ہے۔ ہمیں آپ کی باتیں پسند آئیں اور ہم نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو آواز اٹھی ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو قبول کرلیں۔ لیکن اس کے بعد ہم نے خدا تعالیٰ کے متواتر نشانات دیکھے، آپ کی صداقت کے سینکڑوں معجزات دیکھے اور ہمیں معلوم ہوا کہ آپ کی شان کیا ہے۔ پس **یارسول اللہ** ! اب معاہدات کا کوئی سوال نہیں معاہدات کا زمانہ گزر گیا۔ اب اَور زمانہ آ گیا ہے۔ **یارسول اللہ** !

سامنے سمندر ہے آپ حکم دیجیے ہم اس میں اپنے گھوڑے ڈالنے کے لیے تیار ہیں6 اور یا رسول اللہ! اگر دشمن کا مقابلہ کرنے کا ہی فیصلہ ہوا تو ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے، آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے۔7 پس جب میں نے تم کو تین سال کہا یا دس سال کہا یا انیس سال کہا تو مجھے پتا نہیں تھا کہ ہمارے سامنے خدا تعالیٰ کی کیا سکیم ہے۔ جب میں نے تم سے کہا کہ آؤ اور تین سال کے لیے قربانی کرو تو اس وقت صرف احراری فتنہ سامنے تھا۔ جب میں نے کہا آؤ اور دس سال تک قربانی کرو تو ہم نے سمجھا کہ باہر کی جماعتوں میں جو ہم نے چند مشن قائم کر دیئے ہیں یہ اس وقت تک اپنا کام کرنا شروع کر دیں گے۔ اُس وقت میرا ذہن اِس وسعت کی طرف نہیں گیا کہ ہم نے ساری دنیا میں اسلام کی تبلیغ کرنی ہے۔ پھر میں نے دس سالہ تحریک کو انیس سال تک ممتد کر دیا اور ایک دوسرے دور کا بھی ساتھ ہی آغاز کر دیا کیونکہ اُس وقت مجھے ایک حد تک روشنی نظر آنے لگ گئی تھی اور کام نے اپنی عظمت کو ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا۔ مگر ابھی اس کام کی پوری اہمیت ہم پر روشن نہیں ہوئی تھی مگر سولھویں اور سترھویں سال میں آ کر اللہ تعالیٰ نے اِس سکیم کی عظمت کو مجھ پر روشن کر دیا اور میرا ذہن اس طرف مائل ہوا کہ اس سکیم کے لیے سالوں کی تعیین بے معنیٰ ہے۔ ہم نے ساری دنیا میں اسلام کی تبلیغ کرنی ہے، ہم نے چپہ چپہ پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم کرنی ہے اور یہ کام چند سالوں کا نہیں یہ کام ہمیشہ ہمیش ہے۔

پس میں نے جب کہا تھا کہ آؤ تین سال کے لیے قربانی کرو یا دس سال کے لیے قربانی کرو تو میں نہیں جانتا تھا کہ میرے سامنے کتنا بڑا کام ہے۔ جب تم نے کہا کہ ہم تین سال کے لیے قربانی کرنے کے لیے تیار ہیں یا دس سال کے لیے قربانی کرنے کے لیے تیار ہیں تو تم بھی نہیں جانتے تھے کہ تمہارے سامنے کتنا بڑا کام ہے۔ لیکن اب جبکہ تمہیں پتا لگ گیا ہے کہ تمہارا کیا کام ہے جبکہ تمہیں پتا لگ گیا ہے کہ دنیا بھر میں اسلام پھیلانا تمہارا کام ہے اور مجھ پر خدا تعالیٰ کی سکیم کا ایک بڑا حصہ ظاہر ہو گیا ہے تو میرا مطالبہ بھی اس کے مطابق ہونا چاہیے اور تمہارا بھی اس وقت وہی جواب ہونا چاہیے جو مدینہ والوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا۔ اب تمہیں بھی یہی کہنا چاہیے کہ اب تین یا دس یا انیس کا کیا سوال ہے ہم اسلام کی حفاظت کے لیے اس کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی

لڑیں گے، آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن ہماری لاشوں پر سے گزرے بغیر اسلام کے جسم تک نہیں پہنچ سکتا۔

غرض وعدے زمانہ کے لحاظ سے ہوتے ہیں لیکن وعدہ معاہدے سے بہرحال کم ہے۔ وعدہ ایک طرف سے ہوتا ہے اور معاہدہ دونوں طرف سے ہوتا ہے۔ اور میں نے تو تم سے کوئی وعدہ بھی نہیں کیا صرف ایک اعلان تھا جو میں نے کیا اور وہ بھی اُن حالات میں اعلان تھا جب مستقبل میرے سامنے نہیں تھا جب مستقبل تمہارے سامنے نہیں تھا۔ اگر مستقبل تمہارے سامنے ہوتا کہ اَب ساری دنیا میں اسلام کی اشاعت کا وقت آن پہنچا ہے تو میں نے جب تم سے کہا تھا کہ آؤ اور تین سال کے لیے قربانی کرو تو تم فوراً کھڑے ہوجاتے اور کہتے کہ تین سال میں کیا ہوسکتا ہے؟ تین سال میں تو ساری دنیا میں تبلیغِ اسلام کی بنیادیں بھی نہیں رکھی جاسکتیں۔ پھر اگر مستقبل تمہارے سامنے ہوتا تو جب میں نے تم سے کہا تھا کہ آؤ اور دس سال کے لیے قربانی کرو تو تمہارا فرض تھا کہ تم کھڑے ہوجاتے اور کہتے دس سال میں ہم ساری دنیا میں کس طرح تبلیغِ اسلام کر سکتے ہیں؟ پھر اگر مستقبل تمہارے سامنے ہوتا تو جب میں نے تم سے کہا تھا کہ آؤ اور انیس سال کے لیے قربانی کرو تو چاہیے تھا کہ تم کھڑے ہوجاتے اور کہتے کیا انیس سال میں اسلام ہمیشہ کے لیے قائم ہوسکتا ہے؟ یہ کام تو قیامت تک کے لیے ہے۔ جس طرح نماز دس سال کے لیے نہیں، نماز انیس سال کے لیے نہیں، روزہ دس سال کے لیے نہیں، روزہ انیس سال کے لیے نہیں۔ اِسی طرح اسلام کی تبلیغ اور جہاد بھی دس یا انیس سال کے لیے نہیں ہو سکتے۔ اگر نماز انیس سال کے لیے ہوسکتی ہے، اگر روزہ انیس سال کے لیے ہوسکتا ہے، اگر زکوٰۃ انیس سال کے لیے ہوسکتی ہے تو پھر جہاد بھی انیس سال کے لیے ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر نماز ہمیشہ کے لیے ہے، اگر روزہ ہمیشہ کے لیے ہے، اگر زکوٰۃ ہمیشہ کے لیے ہے تو پھر جہاد بھی ہمیشہ کے لیے ہے۔

جس دن مسلمان جہاد سے غافل ہوئے اُسی دن تباہی کے گڑھے میں گرنے شروع ہوگئے اور یا تو وہ ساری دنیا پر غالب اور حکمران تھے اور یا ہر جگہ محکوم اور ذلیل ہوگئے۔ کوئی زمانہ تھا کہ یہی مقام جہاں کھڑے ہوکر میں اِس وقت خطبہ پڑھ رہا ہوں یہاں مسلمانوں کی چھاؤنی ہوا کرتی تھی اور اِدھر سے اُدھر فوجیں جایا کرتی تھیں اور یا اب اُدھر سے اِدھر فوجیں آنے لگی گئی ہیں۔ اس لیے کہ مسلمان جہاد بھول گئے۔ پہلے تم مسجدیں بناتے چلے جاتے تھے مگر اَب تم واپس آ رہے ہو

اور مساجد گرائی جارہی ہیں۔ ہزاروں ہزار بزرگوں کے مقابر اِس وقت مشرقی پنجاب میں گرے ہوئے ہیں۔ کُتّے اُن پر پیشاب کرتے ہیں تو کوئی اُن کو روکنے والا نہیں ہوتا، ہزاروں ہزار مسجدیں مشرقی پنجاب اور یو۔ پی وغیرہ میں گری ہوئی ہیں اور اُن کی بے حرمتی کی جارہی ہے محض اِس لیے کہ مسلمانوں نے جہاد کو ترک کر دیا۔ اگر مسلمان جہادِ حقیقی کو سمجھ لیتا، اگر مسلمان جان لیتا کہ صرف تلوار چلانا ہی جہاد نہیں تو آج وہ دنیا میں ذلیل نہ ہوتا۔ اس نے سمجھا کہ تلوار کا جہاد ہی اصل جہاد ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب انہوں نے کوئی علاقہ فتح کر لیا تو سمجھ لیا کہ اَب اُن کا کام ختم ہو گیا ہے۔ اگر وہ اس جہاد کو سمجھتے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش کیا ہے کہ کبھی تلوار چلانا جہاد ہوتا ہے، کبھی تبلیغ کرنا جہاد ہوتا ہے، کبھی اشاعتِ لٹریچر کرنا جہاد ہوتا ہے، کبھی تربیت کرنا جہاد ہوتا ہے، کبھی تعلیم دینا جہاد ہوتا ہے۔ تو جب ہندوستان کو انہوں نے فتح کر لیا تھا وہ یہ نہ سمجھتے کہ اُن کا کام ختم ہو گیا ہے بلکہ سمجھتے کہ اَب ہمارا اَور کام شروع ہو گیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لڑائی سے واپس آئے تو آپ نے فرمایا کہ ہم چھوٹے جہاد سے اَب بڑے جہاد کی طرف آئے ہیں 8 یعنی وہ جہاد تو ختم ہو گیا اب تعلیم و تربیت کا جہاد شروع ہو گا جو اُس جہاد سے زیادہ اہم ہے۔ پس جہاد ہمیشہ کے لیے ہے۔ یہ محض مولویوں کی نادانی اور بیوقوفی تھی کہ انہوں نے تلوار کے جہاد کو ہی جہاد سمجھا اور اِس طرح اسلام کو نقصان پہنچا دیا۔ چنانچہ جب تلوار کا جہاد ختم ہو گیا تو مسلمانوں نے سمجھا کہ اَب اُن کا کام بھی ختم ہو گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج بھی ہندوستان میں بتّیس کروڑ ہندو اور آٹھ کروڑ مسلمان ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام والا جہاد اختیار کیا جاتا تو آج بتّیس کروڑ مسلمان اور آٹھ کروڑ ہندو ہوتے بلکہ آٹھ کروڑ ہندو بھی نہ ہوتے سب کے سب مسلمان ہوتے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ سات سو سال تک حکومت کی جائے اور پھر کافر باقی رہ جائیں۔ اگر تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا جاتا تو یہ ناممکن تھا کہ غیر مذاہب کے لوگ اِتنی کثرت کے ساتھ موجود رہتے۔

پس جب میں نے کہا کہ یہ تحریک تین سال کے لیے ہے یا جب میں نے کہا کہ یہ تحریک دس سال کے لیے ہے تو یقیناً میں نے غلط کہا مگر اس لیے کہا کہ جو کچھ خدا کا منشا تھا وہ میں پورے طور نہیں سمجھا تھا۔ جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ والوں کے معاہدہ کی حقیقت کو اُس وقت

پورے طور پر نہیں سمجھے۔ تم مجھے کہہ سکتے ہو کہ اُس وقت تم نے حقیقت کو پورے طور پر کیوں نہیں سمجھا؟ میرا جواب یہ ہے کہ کیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑا ہوں؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُس وقت یہی سمجھا تھا کہ مکہ کے لوگ مدینہ پر حملہ کر کے آئیں گے اُن کے دفاع کے لیے مدینہ والوں کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو جانا چاہیے۔ لیکن خدا تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ آپؐ کو ساری دنیا پر غالب کرے۔ خدا تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ آپ باہر نکل کر کُفّار کا مقابلہ کریں۔ اگر اُس وقت یہ بات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتی تو جب مدینہ والوں نے یہ کہا تھا کہ اگر کسی قوم نے مدینہ پر حملہ کیا تو ہم اُس کا مقابلہ کریں گے تو آپؐ فرماتے تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ ہمیں تو باہر بھی دشمن کا مقابلہ کرنا پڑے گا مگر آپؐ نے یہ نہیں کہا کیونکہ اُس وقت اصل حقیقت آپ پر روشن نہیں ہوئی تھی۔

پھر تم نے بھی میری بات کو اُسی طرح نہیں سمجھا جس طرح صحابہؓ نے نہیں سمجھا۔ انصار نے یہی سمجھا تھا کہ یہ لڑائی اگر ہوئی بھی تو صرف مدینہ میں ہوگی۔ انہیں کب معلوم تھا کہ مدینہ کا سوال نہیں یہ لڑائی ساری دنیا میں لڑی جانے والی ہے۔ کیا کسی انصاری کے وہم وگمان میں بھی یہ بات آ سکتی تھی کہ پنجاب اور ہندوستان میں بیٹھ کر بھی ایک مسلمان کو لڑنا پڑے گا؟ اِسی طرح چین اور جاپان اور سماٹرا اور جاوا اور وہ دوسرے ملک جن کے نام بھی وہ نہیں جانتے تھے اُن میں مسلمانوں کو لڑنا پڑے گا۔ لیکن خدا اِس بات کو جانتا تھا۔ چنانچہ جب اس کی حکمت واضح ہوئی تو معاہدات ختم ہو گئے۔ اِسی طرح جب میں نے تم سے تین سال کے لیے قربانی کرنے کو کہا تو میں نے اس قربانی کو ایک وقتی چیز سمجھ کر یہ اعلان کیا اور خدا نے ہمیں اُس وقت فتح بھی دے دی۔ چنانچہ احرار کو ہمارے مقابلہ میں خطرناک شکست ہوئی۔ اس کے بعد جب میں نے اس تحریک کو دس سال تک بڑھایا تو اُس وقت مجھے کچھ کچھ روشنی نظر آنے لگ گئی تھی اور تبلیغ کا ایک رستہ کھل گیا تھا۔ پھر جب میں نے انیس سال کہا تو اُس وقت تک اَور زیادہ روشنی نمودار ہو چکی تھی۔ مگر اب سترھویں سال میں آ کر پتا لگا کہ خدا تعالیٰ کی سکیم بڑی بھاری ہے اور وہ قیامت تک کے لیے ہے۔ اور جب یہ بات کھل گئی تو اَب میں بھی تم سے اٹھارہ یا انیس سال کے لیے قربانی کرنے کے لیے نہیں کہتا۔ **جب تک تمہارے جسموں میں خون چلتا ہے اگر تم میں ایمان کا ایک ذرّہ بھی موجود ہے تو تمہیں دین کی خدمت کرنی ہوگی۔ بلکہ اگر تمہارے دلوں میں ایمان موجود ہے تو تمہاری تو یہ کیفیت ہونی چاہیے اگر انیس سال کے بعد تم سے یہ کہا بھی جائے کہ اب**

تمہاری قربانی کی ضرورت نہیں تو تم رونے لگ جاؤ اور کہو کہ کیا ہم بے ایمان ہو گئے ہیں یا ہم دین سے مرتد ہو گئے ہیں کہ ہمیں یہ کہا جاتا ہے کہ اَب تم سے دین کی خدمت کا کام نہیں لیا جائے گا۔

پس آج میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اٹھارہ یا انیس سال کا کوئی سوال نہیں۔ ہم نے تمام دنیا میں اسلام کی تبلیغ کرنی ہے اور یہ کام ہم سے ہماری دائمی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اِس وقت مغرب میں بھی ہمارے مبلّغ موجود ہیں اور مشرق میں بھی، شمال میں بھی ہمارے مبلّغ موجود ہیں اور جنوب میں بھی۔ آج ہر ملک اور ہر قوم میں اسلام اور احمدیت کا جھنڈا گاڑا جا رہا ہے۔ ابھی ہمارے مبلّغ تھوڑے ہیں اور ہمیں بار بار اُن کو مدد بھجوانی پڑے گی۔ اُس طرح جس طرح شام اور ایران کے اسلامی لشکروں کو کمک کی ضرورت پڑتی تھی۔ ایران میں جب مسلمانوں کو ایک جنگ میں شکست ہوئی تو اُس وقت مدینہ میں مزید فوج بھجوانے کے لیے اعلان کیا گیا مگر مدینہ اور اُس کے نواحی میں کوئی فوج نہیں تھی جو مسلمانوں کی مدد کے لیے بھجوائی جاتی۔ یہی کیفیت اِس وقت ہماری ہوگی۔ **ہمیں بھی اُسی طرح جس طرح ایک بھٹیارہ پتے اور سوکھی شاخیں اپنی بھٹی میں جھونکتا چلا جاتا ہے اسلام کی اشاعت کے لیے متواتر اور مسلسل اپنا روپیہ بھی جھونکنا پڑے گا، اپنے آدمی بھی جھونکنے پڑیں گے، اپنی کتابیں بھی جھونکنی پڑیں گی، اپنا لٹریچر بھی جھونکنا پڑے گا اور اس راستہ میں ہمیں کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرنا پڑے گا۔ شیطان اپنی کرسی کو آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ اِس وقت خدا کے تخت پر شیطان متمکّن ہے، اِس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت پر شیطان کے ساتھیوں نے قبضہ کیا ہوا ہے اور وہ اسے آسانی سے نہیں چھوڑ سکتے۔ وہ لڑیں گے اور پورے زور کے ساتھ ہمارا مقابلہ کریں گے اور ہم کو بھی اپنا سب کچھ اِس راہ میں قربان کر دینا پڑے گا۔**

بہرحال جب یہ چیز واضح ہو جائے اور اِس لڑائی کی اہمیت کو انسان سمجھ لے تو اس کے بعد تین یا دس یا انیس کا سوال کوئی احمق ہی کر سکتا ہے۔ جب ہم نے یہ تحریک شروع کی تھی اُس وقت ہم اس کے نتائج سے ایسے ہی ناواقف تھے جیسے مکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کرنے والے انصار اپنے معاہدہ کی حقیقت سے ناواقف تھے، جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسلام کا شاندار مستقبل پورے طور پر روشن نہیں ہوا تھا اُسی طرح ہم پر بھی اس تحریک کا مستقبل اس وقت روشن نہیں ہوا۔ پس میں نے تم سے اسی طرح وعدہ لیا جس طرح انصار سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

وعدہ لیا تھا۔اور تم نے اُسی طرح اقرار کیا جس طرح انصار نے معاہدہ کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اقرار کیا تھا۔لیکن جب زمانہ نے پردے اُٹھا دیئے،قدرت نے انکشاف کر دیا تو نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ وعدہ رہا اور نہ انصار کا معاہدہ معاہدہ رہا۔اَب دنیا ہی بدل چکی تھی،اَب ساری دنیا کو فتح کرنے کا سوال تھا،اَب ساری دنیا میں اسلام کا جھنڈا گاڑنے کا سوال تھا۔اَب مدینہ کے اندر یا مدینہ کے باہر کا کوئی سوال نہ تھا،اَب ہر جگہ یہ لڑائی لڑی جانے والی تھی۔اِسی طرح اَب ہمارے لیے یہ امر واضح ہو گیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے لیے وہ دن قریب سے قریب تر لانا چاہتا ہے جب ہم نے اسلام کی لڑائی کو اُس کے اختتام اور کامیاب اختتام تک پہنچانا ہے،اَب کسی ایک ملک یا دو ملکوں کا سوال نہیں،اَب کسی ایک مبلّغ یا دو مبلغوں کا سوال نہیں،اَب سر دھڑ کی بازی لگانے کا سوال ہے۔یا کفر جیتے گا اور ہم مریں گے یا کفر مرے گا اور ہم جیتیں گے۔درمیان میں اَب بات رہ نہیں سکتی۔ایک ادنیٰ سے ادنیٰ سپاہی دس پندرہ روپے لے کر میدانِ جنگ میں جاتا اور اپنے سینہ کو گولی کے لیے پیش کر دیتا ہے۔ہمارے لیے تو پندرہ کا سوال نہیں۔قرآن کہتا ہے کہ ہم نے مومنوں سے سودا کر لیا ہے۔ہم نے ان سے ان کی جانیں اور مال لے لیے ہیں اور انہیں اپنی جنت دے دی ہے۔9 اگر پندرہ روپوں کے لیے ایک سپاہی اپنی جان دے سکتا ہے تو جنت کے لیے ایک مومن کو کتنی خوشی اور کتنی بشاشت سے قربانی پیش کرنی چاہیے۔

پس اپنے دلوں سے دس یا بیس کا سوال اُٹھا دو۔یہ قربانی تمہیں مرتے دم تک کرنی پڑے گی۔جو کچھ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ بعض نے اِس تحریک کو صرف انیس سالہ تحریک سمجھ کر اتنا بوجھ اپنے اوپر برداشت کر لیا تھا جو اُن کی طاقت کے لحاظ سے بہت زیادہ تھا اِس لیے دفتر سے بات کر کے اُن کو اتنی کمی کرنے کی اجازت دے دی جائے گی کہ وہ مستقل طور پر آسانی کے ساتھ اس بوجھ کو اٹھاتے چلے جائیں۔ان کے علاوہ باقی تمام لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق تحریک جدید میں حصہ لیں۔اِسی حکمت کے ماتحت دفتر دوم قائم کیا گیا ہے جس میں ہر وقت انسان شامل ہو سکتا ہے لیکن اِس ارادہ کے ساتھ کہ وہ اپنا قدم اَب پیچھے نہیں ہٹائے گا۔گویا یہ بھی ایک قسم کا وقف ہے جس میں ہر شخص یہ اقرار کرتا ہے کہ میری جان اور میرا مال اسلام کے لیے حاضر ہے۔پس اپنی توفیق کے مطابق ہر شخص کو اس میں حصہ لینا چاہیے۔مرد بھی اور عورتیں بھی،بچے بھی اور بوڑھے بھی،امیر بھی

اور غریب بھی سب لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق تحریک جدید کے دوسرے دَور میں شریک ہوں۔

دوسری مثال اسی قسم کے معاہدہ کی قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ۔10 ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا مگر پھر ہم نے اس وعدہ کو چالیس راتوں میں بدل دیا۔ آریوں اور عیسائیوں نے اعتراض کیا ہے کہ اسلام کا خدا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ جھوٹا ہے کیونکہ اس نے تیس کو چالیس کر دیا۔ اگر خدا تیس کو چالیس کر سکتا ہے تو میں تین کو دس اور دس کو انیس کیوں نہیں کر سکتا۔ اگر خدا عالم ُالغیب ہونے کے باوجود تیس کو چالیس کر سکتا ہے تو میں جو عالمُ الغیب نہیں ہوں تو میں اِس میعاد کو کیوں نہیں بڑھا سکتا تھا۔ آخر سوچنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ پر کیوں اعتراض نہیں ہوسکتا کہ اُس نے موسیٰؑ سے تیس راتوں کا جو وعدہ کیا تھا اُسے اُس نے چالیس راتوں میں بدل دیا۔ اِس لیے کہ تیس دن کی عبادت سے چالیس دن کی عبادت زیادہ مبارک ہے۔ اگر موسیٰؑ کو تیس کی بجائے چالیس دن عبادت کرنے کا موقع مل گیا تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کا احسان ہوا ظلم تو نہ ہوا۔ اِسی طرح اگر تمہیں ساری عمر دین کے لیے قربانی کرنے کا موقع مل جاتا ہے تو تمہارے لیے دائمی طور پر خدا تعالیٰ کی برکتوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی جو شخص سمجھتا ہے کہ دین کے لیے چندہ دینا اُس کے لیے بوجھ ہے اور وہ انیس سال سے زیادہ یہ قربانی کرنے کی اپنے اندر طاقت نہیں پاتا میں اُسے کہوں گا کہ دین کو بیشک قربانی کی ضرورت ہے، اسلام کو بیشک قربانی کی ضرورت ہے لیکن اگر یہ قربانی تم پر بوجھ ہے تو تم پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ تم ایک پیسہ بھی اسلام کی خدمت کے لیے دو۔ تمہارا پیسہ ہمارے لیے گندا اور ناپاک ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ تمہارے پیسوں کے ساتھ ہم اسلام کے پاک اموال کو بھی ملوث کر دیں۔ یہ تحریک صرف اُسی شخص کے لیے ہے جو خدا تعالیٰ کے دین کے لیے قربانی کرنا اپنے لیے برکت اور فضل اور احسان سمجھتا ہے۔ جو سب کچھ دینے کے باوجود یہ یقین رکھتا ہے کہ اُس نے خدا اور اُس کے دین پر احسان نہیں کیا بلکہ خدا نے اُس پر احسان کیا ہے کہ اُس نے اُسے خدمت کی توفیق دی۔ پس ہر وہ شخص جو کہتا ہے کہ اِس تحریک میں شمولیت اُس کے لیے بوجھ ہے میں اسے کہتا ہوں کہ تم چپ رہو۔ جب تک تمہارا خدا تمہارے ایمان کو درست نہ کر دے اُس وقت تک تم ایک پائی بھی چندہ مت دو اور پھر دیکھو کہ خدا اِس سلسلہ کے ساتھ

کیسا سلوک کرتا ہے۔

پس اِس اعلان کے ساتھ میں تحریک جدید کے نئے سال کو شروع کرتا ہوں لیکن ابھی اِس خطبہ کے کئی حصے باقی ہیں جو میں اِنْشَاءَ اللّٰہُ اگلے خطبہ یا خطبات میں بیان کروں گا۔اِنْشَاءَ اللّٰہُ"۔
(الفضل 4 دسمبر 1951ء)

---

1 :البقرة:21

2 : گھماؤں: آٹھ کنال یا دو بیگہ زمین (فیروز اللغات اردو جامع فیروز سنز لاہور)

3 : سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٢٤﴾ (الفتح:24)

4 :الحجرات:18

5 : سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 84، 85 مطبوعہ مصر 1936ء

6، 7: سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 267۔مطبوعہ مصر 1936ء

8 : تفسیر روح البیان۔سورۃ البقرۃ۔آیت 54۔وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ ......الخ

9 : اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبة:111)

10 :الاعراف:143